"تجدد کا پایۂ چوبیں"

فطرت کے مسئلے پر عمار خان ناصر اور طارق محمود ہاشمی کا مکالمہ

گزشتہ دنوں جاوید احمد غامدی کے تصور فطرت پر ہونے والی چند تنقیدات کے جواب میں، عمار خان ناصر صاحب نے شذرات کا ایک سلسلہ اپنے فیس بک پیج پر شائع کیا۔ دوسرے شذرے میں انہوں نے ماڈرن تصور فطرت کے حق میں قرآن مجید سے استدلال کیا۔ انہوں نے لکھا کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو اس کے دل میں لاش ٹھکانے لگانے کا خیال پیدا ہوا۔ان کے نزدیک اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے اندر فطری ہدایت کا علم رکھتا ہے۔ طارق محمود ہاشمی صاحب نے اُن کے اِس استدلال پر کچھ گزارشات پیش کیں، جو ہمارے فیس بک پیج "حرفِ نیم گفتہ"پر شائع ہوئیں۔اس کے جواب میں عمار صاحب نے اپنے نقطء نظر پر اصرار کیا اور اپنے موقف کو دہرایا۔ طارق ہاشمی صاحب نے عمار صاحب کے جواب پر اپنی معروضات پیش کیں اور واضح کیا کہ عمار صاحب دراصل اپنے ظن و تخمین کو استدلال کا نام دے رہے ہیں۔اس پر عمار صاحب نے خاموشی اختیار کر لی اور یہ مکالمہ اختتام کو پہنچا۔

ممکن ہے کہ عمار صاحب پر ہونے والی تنقید میں کوئی غلطی ہو یا یہ تنقیدی تحریریں اپنا موقف ان تک پہنچانے میں ناکام رہی ہوں۔ مگر عمار صاحب کی خاموشی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل جدت کے علم کا رأس المال صرف مغرب کی تحریک تنویر کی کچھ باقیات ہیں۔ عہد جدید میں بعض اہل قلم نے کچھ نئی اصطلاحات ایجاد کرلی ہیں، یا ہماری روایتی اصطلاحات کو نئے معنی پہنا دیے ہیں۔ میڈیا کے ذریعے یہ انحرافات تیزی سے پھیل رہے ہیں۔ عوام ان نئی اصطلاحات کا اصل منبع نہیں جانتے،اور انہیں اپنی دینی روایت ہی کی توسیع سمجھ بیٹھتے ہیں۔ ہم نے یہ علمی مکالمہ اسی لئے شروع کیا تھا کہ کلاسیکی دینی موقف اور جدید مواقف کے مابین فرق کو واضح کیا جاسکے۔ لیکن یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی کیونکہ گفتگو یکطرفہ طور پر منقطع کر دی گئی۔ کبھی کبھی یہ احساس ہوتا ہے کہ شاید جدید اسلام کے قلم کاروں کے ساتھ کوئی سنجیدہ علمی مکالمہ ممکن نہیں ہے۔ یہ بھی شبہ ہوتا ہے کہ شاید ان حضرات کا مقصد عالمانہ تحقیق نہیں ہے، بلکہ کوشش ہے کہ اپنے ظن و تخمین پر اصرار کرکے،اور اسے ضروریات دین قرار دے کر، غیر محسوس طریقہ سے لوگوں کے اذہان پر نقش کیا جائے۔ اگر ان حضرات کا موقف کسی علمی دلیل پر قائم ہے تو مکالمے کے از سر نو آغاز کا امکان باقی ہے۔ لیکن فی الحال عمار ناصر صاحب اس مکالمے کے جواب میں خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ذیل میں ہم اس پوری بحث کو قارئین کے لئے بالترتیب پیش کررہے ہیں تاکہ وہ اس بات کا اندازہ کر سکیں کہ: پائے استدلالیاں چوبین بود/پائے چوبین سخت بے تمکین بود!

کاشف علی خان شیروانی

*

فطرت اور وحی کا باہمی تعلق

عمار خان ناصر

سب سے بنیادی سوال یہ تھا کہ کیا انسان میں کوئی ایسی داخلی استعداد رکھی گئی ہے جس کی مدد سے وہ، کسی خارجی راہ نمائی کے بغیر بھی، چیزوں کے حسن وقبح کو محسوس کر سکے اور ان کے حوالے سے اپنا ذہنی وعملی رجحان متعین کر سکے؟

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ناقدین کی طرف سے فی نفسہ ایسی کسی صلاحیت کی نفی نہیں کی جا رہی، البتہ یہ کہا جا رہا ہے کہ چونکہ یہ صلاحیت حسن وقبح کی پہچان میں غلطی کر سکتی ہے، اس لیے اسے معیار نہیں مانا جا سکتا۔ یوں کم سے کم بحث کا ایک بنیادی نکتہ متفقہ ہے اور یہ بڑی اہم بات ہے۔ قرآن مجید نے آدم وحوا علیہما السلام اور آدم کے دو بیٹوں کے واقعات میں اسی حقیقت کی تصویر کشی کی ہے۔ جب شجر ممنوعہ کا پھل کھانے کے نتیجے میں آدم وحوا کے ستر ننگے ہو گئے تو وہ فطری شرم وحیا کے احساس سے فوراً درخت کے پتوں سے اپنے جسم کو ڈھانکنے لگے۔ اسی طرح آدم کے ایک بیٹے نے دوسرے کو قتل کر دیا تو اس کے بعد فطرت ہی کی راہ نمائی سے اس کی توجہ اس طرف گئی کہ اب لاش کو کہیں ٹھکانے لگانا چاہیے، تاہم اس کا طریقہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیج کر اس کی راہ نمائی کی کہ وہ زمین کھود کر لاش کو اس میں دفن کر دے۔

مورخہ: ۲۵ جون، سنہ ۲۰۱۶ء

*

'فطری ہدایت' کا جدید تصور

طارق محمود ہاشمی

غامدی صاحب فطرت کو اولین ماخذ دین سمجھتے ہیں۔ اس موقف کے حق میں دلائل بیان کرتے ہوئے عمار خان ناصر صاحب لکھتے ہیں:

"قرآن مجید نے آدم وحوا علیہما السلام اور آدم کے دو بیٹوں کے واقعات میں اسی حقیقت کی تصویر کشی کی ہے۔۔۔ آدم کے ایک بیٹے نے دوسرے کو قتل کر دیا تو اس کے بعد فطرت ہی کی راہ نمائی سے اس کی توجہ اس طرف گئی کہ اب لاش کو کہیں ٹھکانے لگانا چاہیے، تاہم اس کا طریقہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیج کر اس کی راہ نمائی کی کہ وہ زمین کھود کر لاش کو اس میں دفن کر دے"۔

عرض ہے کہ فطری ہدایت کے حق میں جاوید غامدی صاحب اور عمار صاحب کا مقدمہ اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ آیت یہ ہے:

فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ قَالَ يَاوَيْلَتَا أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ (سورة المائدة: ٣١)

ترجمہ: پھر اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کو کرید رہا تھا تاکہ اسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی میت کو کیسے چھپائے۔ بولا: اے میری بدبختی! مجھ سے اتنا نہ ہو سکا کہ میں اس کوّے جیسا ہی ہوتا، اور اپنے بھائی کی میت کو چھپا سکتا! پس وہ لگا پچھتانے!

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ قابیل کو یہ نہیں معلوم تھا کہ میت کی تدفین ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کوّا بھیجا جس نے اپنے عمل سے قابیل کو یہ بات بتائی۔ یعنی یہ ہدایت قابیل کی فطرت میں موجود نہیں تھی، ورنہ وہ خود ہی تدفین کر دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خارجی ہدایت کا انتظام کیا۔ یہ فطری ہدایت کی عدم موجودگی کی دلیل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تدفین کرنے کے عمل کی ہدایت کوّے سے آئی، نہ کہ انسانی فطرت سے۔ جب ہم "فطرت بطور مأخذ ہدایت" کا تصور پیش کرتے ہیں تو یہاں کس کی فطرت مراد ہوتی ہے؟ انسان کی یا کوّے کی؟ ظاہر ہے کہ اس واقعے کو پیش کرنے سے فاضل محقق کی رائے یہ لگتی ہے کہ "کوّے کی فطرت بھی مأخذ ہدایت ہے"۔ یہ بداہتاً غلط ہے۔ کیونکہ کوّے وہ جانور ہیں جو ڈائنوسار کی طرح ناپید نہیں ہوئے، بلکہ لاکھوں کی تعداد میں آج بھی موجود ہیں۔ اور ان کے رویوں کے بارے میں ہمیں مستند معلومات ہیں۔ عمار صاحب جانتے ہیں کہ کوّے اپنے مردہ ہم جنسوں کو دفناتے نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک خصوصی الوہی انتظام تھا، جس میں ایک خارجی ذریعے سے انسانی فطرت کی بے مائیگی کا ازالہ کیا گیا۔ چنانچہ یہ واقعہ فطرت کے مأخذ ہدایت ہونے کے حق میں نہیں، بلکہ فطرت کی بے مائیگی کے حق میں نص ہے۔ قابیل کا اظہارِ ندامت اس پر صراحت کر رہا ہے کہ اس نے کہا کہ میری بدبختی یہ ہے کہ میں کوّے جیسا بھی نہیں ہوں۔ یعنی مجھے یہ بات بھی معلوم نہ تھی کہ مردوں کو دفنایا جانا چاہیے۔ اگر اس کی فطرت میں یہ بات پہلے سے موجود ہوتی تو ہرگز ندامت کا اظہار نہ کرتا، بلکہ کہتا کہ یہ کوّے کا کیا کمال ہے، میں تو الحمدللہ اپنی فطرت ہی میں پہلے سے اس ہدایت سے آشنا تھا!! یہ جدید علم الکلام کی دلچسپ جہت ہے، کہ اس میں آیات سے وہ مطلب نکالا جاتا ہے جو اس کے معنی سے عین متضاد ہوتا ہے۔ تاہم امید ہے کہ عمار ناصر صاحب یا ہماری بات کی غلطی واضح فرمائیں گے یا اپنی تحریر کی اصلاح کر لیں گے۔

(مورخہ: ٢٧/جون، سنہ ٢٠١٦ء)

*

عمار صاحب کا جواب:

آپ نے اچھا نکتہ اٹھایا۔ دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ قتل کرنے کے بعد قابیل کے دل میں لاش کو ٹھکانے لگانے کا احساس پیدا ہوا لیکن کوئی طریقہ نہ سمجھ میں آیا۔ میرے نزدیک اس کے حق میں ''لیریہ کیف یواری سواۃ اخیہ'' کے الفاظ قرینہ ہیں، یعنی اسے لاش کے چھپانے کا تو خیال تھا لیکن ''کیف'' معلوم نہیں تھا۔ تاہم دوسرا احتمال بھی قابل غور ہے جو آپ نے ذکر کیا کہ اسے خود خیال نہیں تھا، لیکن کوے کے ذریعے سے توجہ دلائی گئی تو وہ متوجہ ہو گیا۔

اب دیکھیے کہ فطرت والی بحث کے حوالے سے اس میں کیا فرق واقع ہوا؟ فطرت کی راہ نمائی تو دونوں صورتوں میں ثابت ہوتی ہے۔ پہلی صورت میں از خود، جبکہ دوسری صورت میں توجہ دلائے جانے پر۔ اگر فطرت میں یہ صلاحیت نہ ہوتی تو کوے کے عمل کو قابیل ایک عام سا واقعہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتا۔ پھر یہ کہ قتل کرنے کے بعد قرآن کی تصریح کے مطابق اسے اپنے عمل پر ندامت محسوس ہوئی، بلکہ اس سے بھی پہلے جب وہ قتل کا ارادہ کر رہا تھا تو اس کے بھائی نے اسے متوجہ کیا کہ یہ ''گناہ'' کا کام ہے اور اس کا انجام دوزخ کی آگ ہو گا۔ گویا دونوں بھائی قتل کے جرم ہونے سے واقف تھے۔ اس پر بھی غور کیجیے کہ اگر انسان کی راہ نمائی کا واحد ذریعہ وحی ہے تو یہ کوے کا عمل کیا تھا؟ اسے اللہ نے خصوصی طور پر ہی بھیجا ہو، لیکن اس کی حیثیت بہر حال اللہ کے ''رسول'' کی اور اس کے عمل کی حیثیت ''حکم شرعی'' کی ہرگز نہیں تھی۔

یوں یہ واقعہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ انسان نہ صرف بنیادی اخلاقیات کا واضح شعور اپنی فطرت میں رکھتا تھا، بلکہ ماحول کے مشاہدے اور تجربات کی روشنی میں اس فطری شعور کو اخلاقی افعال کی صورت میں بھی ڈھالنے کی پوری صلاحیت رکھتا تھا۔

(مورخہ: ۲۷/جون، سنہ ۲۰۱۶ء)

*

ہدایت کا ماخذ: دین یا انسانی جبلت؟

طارق محمود ہاشمی

عمار خان ناصر صاحب کے ممنون ہیں کہ انہوں نے ہمارے اعترض پر تبصرہ عنایت فرمایا۔ جواب میں انہوں نے اپنے موقف پر اصرار کیا ہے۔ ان کے تبصرے سے معلوم ہوا کہ غالباً ہماری بات واضح نہیں ہو سکی۔ ہماری تنقید فقط ایک نکتے تک محدود تھی: عمار صاحب نے لکھا تھا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا، تو اس کی توجہ "فطرت کی وجہ سے اس طرف گئی کہ اب میت کو کسی طرح ٹھکانے لگانا چاہیے"۔ ہم نے واضح کیا کہ کوّے سے ملنے والی

"ہدایت" فطرتِ انسانی میں موجود نہیں تھی۔ عمار صاحب لکھتے ہیں کہ دین اصلاً فطرت کی ہدایت پر کھڑا ہے، نبوت اور وحی کا انتظام بس اُن مسائل کے لیے ہوتا ہے جنہیں انسانی فطرت اور عقل حل نہ کر سکیں۔اُن کے اس قاعدے کو دو پہلوؤں سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

اول: یہ اصولِ موضوعہ ظاہر ہے کہ دین کی نصوص میں کہیں بیان نہیں ہوا، بعض قیاسات اور بعض درآمد شدہ نظریات سے ماخوذ ہے۔ اور اس کے نتیجے میں نبوت و رسالت دین میں جوہری (essential) نہیں بلکہ عارضی (accidental) اہمیت کے حامل ٹھہرتے ہیں۔ ہمارے علم کی حد تک یہ عقیدہ فقط مبتدعہ قدیمہ کے ہاں ملتا ہے، یا پھر جدید اسلام کے معماروں کے ہاں۔ مبتدعہ جدیدہ میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے ہاں اس کے اشارے ملتے ہیں۔ یہ عقائد میں تصرف کی طرف جانے والا راستہ ہے اور نہایت پُر فتن ہے۔

دوم: زیر نظر آیۂ قرآن مجید سے واضح ہے کہ یہ مسئلہ—کہ وہ میت کے ساتھ کیا معاملہ کرے—قابیل اپنی عقل اور فطرت سے حل نہ کر سکا۔ غامدی صاحب اور عمار صاحب کے اصولوں کے مطابق یہ وہ صورت تھی جس کے لیے اللہ نے سلسلۂ نبوت کو جاری فرمایا ہے۔ یعنی ان کے بقول جہاں عقل و فطرت ناکافی ہوں، وہاں—اور فقط وہاں—وحی مداخلت کرتی ہے۔ اس صورتِ حال میں، ان کے اصول کی رُو سے ضروری ہو گیا تھا کہ قابیل کو وحی کی رہنمائی فراہم کی جاتی۔ لیکن انہیں خود تسلیم ہے کہ قابیل کے پاس نہ وحی کی ہدایت موجود تھی، نہ ہی اس مسئلے کو وہ اپنی فطرت و عقل سے حل کر سکا۔ یعنی الوہی ہدایت کا جو قانون انہوں نے بیان کیا ہے، وہ آگے چل کر تو کیا، بنی نوع آدم کی پہلی ہی نسل میں غلط ثابت ہو گیا۔

جہاں عمار خان ناصر صاحب کو فقط دو عدد احتمالات نظر آ رہے ہیں، وہاں اور بھی ممکن ہیں۔ ایک احتمال یہ ہے کہ کوّا محض تذکیر کے لیے بھیجا گیا ہو۔ جس کے نتیجے میں قابیل اپنے والدین کے سکھائے ہوئے طریقۂ تدفین کی جانب متوجہ ہوا۔ وہ طریقہ جو فطرت میں تو نہ تھا، پر اس کے والد علیہ السلام کو وحی سے معلوم ہوا تھا اور انہوں نے اور ہابیل و قابیل کی والدہ نے اپنے بچوں کو سکھایا تھا۔ یہی معاملہ شناعتِ قتل کا بھی ہے۔ قتل کی قباحت تو فرشتوں کو تخلیق آدم سے بھی پہلے معلوم تھی (من یفسد فیھا ویسفک الدماء)، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو معلوم نہ ہو، اور انہوں نے اپنے بچوں کو اس کی خبر نہ دی ہو؟ لہذا قتل کی شناعت بھی فطرت سے نہیں، بلکہ شرع سے معلوم ہوئی۔ اگر قتل کی شناعت انسان کی "فطرت" میں ہوتی، تو غامدی صاحب اور عمار ناصر صاحب کے اصول کی رُو سے اِس کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ اسے شرع میں بیان کیا

جاتا۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ تمام شرائع میں بیان ہوئی ہے۔ اور یہی معاملہ مردے کی تدفین کا بھی ہے۔ رہی فطرت، تو آج بھی قریباً نصف انسانی آبادی مردوں کو دفنانے کا التزام نہیں کرتی۔ پھر یہ انسانی فطرت کیسے ہوئی؟

اس کے جواب میں عمار ناصر صاحب نے جو وضاحت فرمائی ہے وہ تمام تر قیاس و ظن و تخمین ہے۔ یہ اہم دینی اصول جس پر، ان کے خیال میں، تمام دین کا فہم موقوف ہے، قطعی نصوص میں موجود ہونا چاہیے تھا، کہ یہ فروعی مسئلہ نہیں، اصولی ہے، بلکہ اصل الاصول ہے، جس کا قطعی بیان نصوص میں لازم تھا۔ لیکن، اگر یہ معاملۂ مبہمہ صدیوں پوشیدہ رہنے کے بعد، اب سر سید، فراہی، غامدی صاحب اور عمار صاحب کے ظن و قیاس پر ہی منحصر ٹھہرا ہے، تو ہم بھی کچھ سوالات اٹھانے کی اجازت چاہتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ علیہا السلام نے اپنے بچوں کو میت کے ساتھ کیا معاملہ کرنے کی تعلیم دی تھی؟ زندگی کے بہت سے مسائل تو عوارض کے طور پر لاحق ہوتے ہیں، لیکن موت تو یقینی ہے، اور خاندان کے ہر فرد کو اس سے معاملہ پیش آنا ہے۔ یہ بات قابیل کے والدین علیہا السلام کو بھی یقیناً معلوم ہو گی۔ اس اہم اور ناگزیر معاملے میں نعوذ باللہ خود اللہ تعالیٰ اور حضرت آدم علیہ السلام سے کیسے چوک ہو گئی؟ انہوں نے یہ بات روزِ اول نسلِ انسانی کو کیوں نہ بتائی کہ انسانی میت کی تدفین کرنا؟ کیا کوئی نبی ایسا ہو سکتا ہے جو موت کے بارے میں احکام بھی اپنی اولاد کو نہ بتائے؟ اگر یہ بات مان لی جائے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بچے دین کی ایسی بنیادی تعلیم سے بے خبر تھے، جس میں فطرت بھی ان کی مدد کرنے کی اہلیت نہ رکھتی تھی، تو وہ یکسر اندھیرے میں تھے۔ یہ جو بار بار کہا جا رہا ہے کہ روزِ ازل بنی نوع انسان نے اپنی زندگی کی ابتدا اندھیرے میں نہیں، بلکہ ہدایت کی کھلی روشنی میں کی تھی، غامدی صاحب اور عمار صاحب کے اصولوں کی روشنی میں اس اندھیرے کی کیا توجیہ ہو گی؟ بہ ظاہر اس سے فطرت کے حق میں ان حضرات کا پورا مقدمہ ہی بے بنیاد ثابت ہو جاتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ کی وفات پہلے ہی ہو چکی تھی۔ (اگر وہ حیات ہوتے تو قابیل کو یہ سوال اپنے والدین سے پوچھنا چاہیے تھا، کسی جانور کا محتاج کیوں ہونا پڑتا؟) یہ کیسے ممکن ہے کہ قابیل کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس کے والد اور والدہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ کی میت کے ساتھ کیا معاملہ ہوا تھا—یعنی انہیں دفنایا گیا، یا پانی میں بہایا گیا، جلایا گیا، یا یونہی آسمان تلے کھلا چھوڑ دیا گیا؟ بھلا یہ ممکن ہے؟ ہاں البتہ انسانوں کو غفلت و نسیان لاحق ہو سکتا ہے۔ جس کے لیے اللہ نے ایک اور انتظام کیا—یعنی تذکیر کا۔ لیکن بہر صورت فطرت پر منحصر نہیں چھوڑا۔

اگر یہ مکالمہ آگے بڑھا، توانشاءاللہ ہم واضح کریں گے کہ قرآن مجید میں عہد الست کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے جسے "انسانی فطرت" کا محتویٰ قرار دیا جاسکے۔اس کے سوا، دیگر محتویات کے حق میں، دلائل سب خارجی اثرات کا نتیجہ ہیں، اور فی الاصل نہ دینی ہیں نہ علمی۔

دین پر کلام کرنے کا سب سے خطرناک طریقہ یہ ہے کہ کسی نظریے اور دعوے کو پہلے سے فرض کر کے دینی مآخذ کی جانب رجوع کیا جائے، اور پھر بہر حال مطلوبہ مقدمے کے حق میں "بینات" ڈھونڈ نکالی جائیں، اور اس مقصد کے لیے ہر قسم کی تاویلات کو روا رکھا جائے۔ مسلمانوں پر استعماری غلبے کے بعد کئی موضوعات کے بارے میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا، اور جوں جوں کام آگے بڑھا، سطحیت بھی بڑھتی گئی۔ "فطری ہدایت" کے اس مبالغہ آمیز تصور کو ہر حال میں قرآن مجید سے برآمد کرنے کے کوشش بالآخر مضحکہ خیز ہوتی جارہی ہے۔امید ہے کہ عمار خان ناصر صاحب "فکر فراہی" کے دفاع سے آگے بڑھیں گے اور ایک فرقے کے اغراض و مقاصد سے بلند ہو کر مسئلے کو خالص علمی بنیادوں پر سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش فرمائیں گے۔ وماعلینا الا البلاغ۔

مورخہ: ۲۹/جون، سنہ ۲۰۱۶ء

***